ماہنامہ

منادی

نئی دہلی

بارگاہِ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کا



مناديًا ينادي للايمان

بارگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ

محبوب الٰہیؒ سے ایمان اور امن کی ندا دینے والا

اور ان کے جانشین

امام المشائخ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی یادگار

منادی

ماہنامہ — نئی دہلی

منادی ۱۹۲۶ء سے جاری ہے یہ باسٹھویں جلد ہے ۱۹۸۷ء کا دسواں شمارہ ہے

ایڈیٹر

خواجہ حسن ثانی نظامی

معاون مدیر

خواجہ سید مہدی نظامی

درگاہ شریف اور منادی کے بارے میں خط و کتابت کرنے اور قیمت جمع کرانے کا پتہ:

خواجہ حسن ثانی نظامی

ڈاکخانہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

سالانہ قیمت	پندرہ روپے ۱۵
غیر ممالک سے	تین پونڈ
فی پرچہ	ایک روپیہ ۵۰ پیسے

سرخ لکیر

عنوان کے پیچھے ایک سرخ لکیر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ادا کردہ منادی کی قیمت اس شمارے سے ختم ہو گئی اور دو لکیروں کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ شمارے سے ختم ہو جائے گی۔ جلد منی آرڈر کے ذریعہ قیمت بھیج کر ممنون فرمایئے یا وی پی کی اجازت دیجئے۔ وی پی میں آپ کے تین روپے پچیس پیسے زائد خرچ ہوں گے۔

منیجر

فہرست

پرنٹر پبلشر خواجہ حسن ثانی نظامی نے خواجہ پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳ سے شائع کیا۔

انتخاب فوائد الفواد

ملفوظات سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ

تلخیص و ترجمہ ——— حسن ثانی نظامی

بندوں سے مدد مانگنا

خادم (حسن علا سجزیؒ) نے عرض کی کہ یہ دعا کیسی ہے جو لوگ پڑھا کرتے ہیں۔

اعینونی عباد اللہ رحمکم اللہ

(میری مدد کرو اللہ کے بندو! اللہ تم پر رحم کرے)[1]

خادم کا مقصد اس سے یہ تھا کہ غیر خدا سے مدد مانگنا کیسا ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ دعا پڑھتے ہیں اور اس میں عباد اللہ المسلمین والمخلصین (اللہ کے مسلمان اور مخلص بندے) مضمر ہے۔ (یعنی اللہ کے بندوں سے مسلمان اور مخلص بندے مراد ہیں) اور جائز ہے کہ (اس طرح) پڑھا جائے۔ اور بزرگان نے اس طرح پڑھا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ دعا پڑھی ہے۔

اس سلسلے میں شیخ نجیب الدین متوکل کی بزرگی کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ میں نے ان کے جیسا اور کوئی آدمی اس شہر میں نہیں دیکھا۔ ان کو کچھ خبر نہ تھی کہ یہ کون سا دن ہے اور کون سا مہینہ ہے۔ یا اناج کیا بھاؤ بکتا ہے یا گوشت کس طرح دیتے ہیں۔ اس طرح کی باتوں سے انھیں کچھ مطلب نہ تھا۔ اتنے زیادہ مشغول (بحق) تھے۔ رحمۃ اللہ رحمتا واسعتا۔

[1] اگر آدمی جنگل میں راستہ بھول جائے یا اور کوئی افتاد پڑے تو یہ دعا پڑھی جاتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اللہ کی وہ مخلوق جو نظر نہیں آتی اس مصیبت میں مددگار ہو جاتی ہے۔

مرید ہو تو گواہ لاؤ

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہیؒ کے خلیفہ اور لنگر خانے کے مہتمم حضرت مولانا برہان الدین غریبؒ نے فرمایا:
بعض آدمی کہتے ہیں کہ ہم تیس برس سے شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ کے مرید ہیں۔ یہ دعا گو عرض کرتا ہے کہ

اگر مرید ہو تو گواہ لاؤ

یعنی تمہارے اخلاق اور تمہارے طریقے کو گواہ ہونا چاہیے کہ تم حضرت شیخ الاسلام نظام الدین قدس سرہ جیسے بزرگ کے مرید ہو۔ (احسن الاقوال)

(گویا جب تک مرید اپنے پیر کے طریقے کو اختیار نہ کرے۔ ان کے اخلاق کو نہ اپنائے اس وقت تک اسے اپنے آپ کو مرید کہنے کا حق نہیں ہے پیر کی ایک بات پر اگر مرید نے عمل کیا تو گویا اپنے مرید ہونے کا ایک گواہ پیش کیا۔ دو باتوں پر عمل کیا تو دو گواہ فراہم کیے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

ہمارے سب سے بڑے پیر اور پیروں کے پیر آقا و مولےٰ حضور محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ پیروں کا طریقہ دراصل آنحضورؐ کا طریقہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر سنت کی پیروی گواہ بنتی ہے۔ ہمارے اسلام کی۔ ہمارے ایمان کی۔ ہمارے پاس اگر یہ گواہ نہیں ہیں تو نہ ہمارا اسلام معتبر ہے نہ ہمارا ایمان معتبر ہے

اس لیے

اپنے مرید ہونے کے گواہ لائیے!

اپنے اسلام اور ایمان کے گواہ لائیے!)

حسن ثانی نظامی

سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

کے جانشین

شمس العلماء مصورِ فطرت

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

نے فرمایا

ہر پیر کی ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ کسی کے ہاں لنگر زیادہ تقسیم ہوتا ہے۔ کسی کا وقت وظیفے میں زیادہ گذرتا ہے۔ کوئی کسی اور نیکی میں زیادہ مصروف ہوتا ہے اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ تمہاری خصوصیت کیا ہے تو میں کہوں گا کہ

محنت اور حلال روزی۔

پس میرے جس مرید میں محنت اور حلال روزی کی خصوصیت پائی جائے سمجھ لو کہ وہی میرا سچا اور پکا مرید ہے۔ محنت کے کسی کام سے بھی آدمی کو شرمانا نہیں چاہیے۔ محنت کرکے روزی کماؤ۔ دغابازی سے پرایا مال نہ لو۔ بیکار وقت ضائع نہ کرو۔ روزی کمانے میں کسی محنت اور کسی پیشے سے نہ شرماؤ۔ دنیا چھوڑنے اور خالی بیٹھے رہنے کا ارادہ بھی گناہ ہے۔ صبح دنیا کا دھندہ شروع کرنے سے پہلے غور کر لیا کرو کہ آج کے کام میں کوئی بات خدا اور رسولؐ کے خلاف تو نہیں ہے۔ اور جب رات کو سونے بیٹھو تو سوچو کتنے کام اچھے اور کتنے برے کیے۔ نیکیوں پر خدا کا شکر بھیجو اور بدیوں کی توبہ کرو اور آئندہ بچنے کا عہد کرو۔ دیانت داری اور معاملے کی صفائی ہر مرید عورت مرد کے لیے لازمی ہے۔ اور محنت اور عمل اور بیکار نہ رہنا بھی ہر مرید عورت مرد پر لازم ہے اور یہ بھی کہ روزی خود اپنی محنت سے حاصل کرے اور اکل حلال کے سوا کبھی کوئی شبہ کی چیز نہ کھائے۔

(ادارہ)

حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ

کے ملفوظ

احسن الاقوال کے چند اقتباس

ارشاد ہوا کہ جب شیخ الاسلام حضرت فرید الدینؒ قدس سرہ کا عرس ہوجاتا تو شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ قدس سرہ دریافت فرماتے کہ اس عرس کی مجلس میں فلاں مرید شریک تھا یا نہیں تھا؟ اگر بتایا جاتا کہ نہیں تھا تو پوچھتے کہ اس کو کھانا پہنچایا گیا یا نہیں۔ اگر کہتے کہ نہیں پہنچایا گیا تو کہتے وہ اس دولت سے محروم رہا۔ پھر فرمایا کہ شیخ الاسلام (حضرت خواجہ نظام الدینؒ) فرماتے تھے کہ میں سارے سال اس ایک دن (عرس کے دن) کی پناہ میں رہتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدینؒ قدس سرہ کے عرس مبارک کا کھانا جو ہم کو ملتا تھا۔ میں (حضرت برہان الدین غریبؒ) اس کو سکھا کر حفاظت سے رکھ لیتا اگر کوئی بیمار آتا تو تھوڑا سا کھانا اس میں سے دے دیتا اور وہ اس کی برکت سے صحت پاتا!

شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدینؒ قدس سرہ کی مجلس میں ایک مرید کو طلب کیا گیا تو اسی وقت اس کی بیوی کا انتقال ہوا تھا۔ اس مرید نے احباب کو ہدایت کردی کہ فلاں مقام پر دفن کر دینا اور خود پیر کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ دوسرے روز اس کے خسر نے برا بھلا کہا کہ تیری اتنے دن کی شریک حیات انتقال کر گئی اور تو دفن تک میں شریک نہ ہوا۔ اس مرید نے کہا کہ آپ کی شکایت بجا اور صحیح ہے لیکن مجھے پیر کا حکم اور فرماں برداری اس سے زیادہ اہم محسوس ہوئی۔

دو بھائی کسی پیر کے مرید تھے۔ چھوٹے بھائی پر پیر کی مہربانی زیادہ تھی۔ بڑے بھائی نے پیر و مرشد سے شکوہ کیا۔ پیر نے اسے حکم دیا کہ صحن میں ایک اونٹ بندھا ہوا ہے۔ اس کو بالاخانے پر لے آؤ۔ اس نے عرض کی حضرت! اونٹ بالاخانے پر کیسے آ سکتا ہے۔ اس کے بعد پیر نے چھوٹے بھائی سے یہی فرمائش کی۔ وہ گیا اور اونٹ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اوپر چڑھانے کے لیے زور لگانے لگا۔ شیخ نے کہا بس کرو۔ میں بھی خوب جانتا ہوں کہ اونٹ بالاخانے پر نہیں آسکتا۔ لیکن تم نے میرے حکم پر عمل کرنے کی کوشش تو کی۔ پھر میں تمہارے حال پر مہربان کیوں نہ رہوں۔

بقیہ: "اردو کے ارتقا میں صوفیا کا حصہ"

بھی لکھی گئی تھی۔ ان کے علاوہ خان محمدؒ، ملک محمدؒ سید شاہ ہاشم علوی، محمد امین وغیرہ بہت سے صاحب تصانیف صوفیا گجرات کی سرزمین سے اٹھے ہیں اور ان کی کوششوں نے ثابت کر دیا ہے کہ اردو کسی محدود علاقہ کی زبان نہیں اس پر پورے ہندوستان کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔

اُردو کے ارتقا میں گجرات کے صوفیاء کا حصّہ

(از پروفیسر نثار احمد فاروقی)

گجرات ہندوستان کا بہت اہم صوبہ ہے جو مغربی ساحل پر واقع ہے۔ یہ نہ صرف قدرتی وسائل سے مالا مال ہے بلکہ ہندوستان کی مشترک تہذیب و ثقافت، مذہبی فکر و فلسفہ اور زبان و ادبیات کے فروغ میں بھی اس کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ صوبہ گجرات میں قدیم زمانہ میں بھی چوراسی بندرگاہیں تھیں — جہاں سے بحری تجارت ہوتی تھی اور ہندوستان کا ناتا سمندر پار کی دنیا سے بھی جڑا ہوا تھا۔ اس لیے عرب تاجروں کی آمد و رفت یہاں اسلام سے بھی پہلے شروع ہو چکی تھی۔ یہاں بڑی مضبوط اور خوشحال سلطنت قائم تھی جس کا تذکرہ قدیم سیاح کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل فی الوقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اردو زبان کی ساخت پرداخت اور نشو و نما میں اس صوبہ میں کیا کام ہوا۔ اور خاص طور سے صوفیائے کرام نے کس طرح اس زبان کے فروغ و ارتقا میں حصہ لیا۔ اردو کے مختلف روپ ہیں، موجودہ شکل تو سینکڑوں سال کی لسانی اور تہذیبی تبدیلیوں کے بعد بنی ہے۔ اس زبان کے نام بھی ہر دور اور ہر علاقہ میں مختلف رہے ہیں۔ گجرات میں اس کو گوجری، گجری، گجراتی یا بولی گجراتی بھی کہا گیا۔ اور اسی زبان کی ابتدائی صورت کو ہندی یا ہندوی، بھاکا یا ہندوستانی کہا جاتا ہے، اور یہ وہ زمانہ ہے جب ہندی اور اردو کے دھارے الگ الگ نہیں ہوئے ہیں۔ دونوں کا ذخیرۂ الفاظ ایک ہے اور دونوں ایک ہی فکری سرچشمہ سے سیراب ہو رہی ہیں۔

گجرات میں صوفیاء کے تقریباً سبھی اہم سلسلوں کا تفرد بھی ہوا، بلکہ بعض سلاسل مثلاً رفاعیہ، عیدروسیہ تو ایسے ہیں جن کا شمال مغربی ہندوستان میں اثر نہ ہونے کے برابر رہا ہے۔ بقیہ سلسلوں میں چشتی، قادری، سہروردی اور شطاری خاندان کے صوفیوں نے گجرات میں رشد و ہدایت اور اخلاقی و روحانی اصلاح کا کام بڑے وسیع پیمانے پر کیا ہے۔ صوفیاء کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو مادیت اور مادہ پرستی کی آلائشوں سے نکالیں دنیا کمانے کے لیے انسان کیسی کیسی مکاریاں اور چالبازیاں کرتا ہے، دھوکا دیتا ہے، جھوٹ بولتا ہے قتل و غارت کرتا ہے، سازشوں کے جال پھیلاتا ہے۔ ان سب حرکتوں سے معاشرہ تو فاسد ہوتا ہی ہے، خود انسان کے آئینۂ قلب پر بھی زنگ لگ جاتا ہے اس کے باطن کا نور آہستہ آہستہ تاریکی میں بدل جاتا ہے اور اس کی زندگی حیوانوں سے بدتر ہو جاتی ہے۔ بدتر یوں کہ حیوان نہ جھوٹ بولتے ہیں نہ مکر و دغا کرتے ہیں، نہ فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں۔ ان سب باتوں کو دل میں اتارنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ عوام سے رابطہ بنا کر رکھا جائے اور وہ رابطہ صرف عوام کی زبان سے ہی قائم ہو سکتا تھا اس لیے صوفیا نے ہر زمانہ میں اور ہر علاقہ میں عوامی زبان اور عوامی اظہار و ابلاغ کی اہمیت کو سمجھا تھا۔ یہ صوفیاء گاؤں گاؤں

میں جاتے اور عوام کے ہر طبقہ سے ملتے تھے۔ رضی الدین حسن صغانی مشہور محدث ہیں جنھوں نے حدیث کی بلند پایہ کتاب "مشارق الانوار" ترتیب دی تھی۔ وہ جب مسجد میں مسلمانوں کے سامنے حدیث کی روایت کرتے تو علماء کا لباس پہن کر منبر پر بیٹھتے تھے اور گجرات کے دیہات میں عوام کی روحانی اصلاح کے لیے جاتے ہیں تو درویشوں کا لباس ہے پاؤں میں کھڑاویں ہیں، ہاتھ میں کشکول ہے، بغل میں مصلّیٰ ہے۔ اب وہ عوام سے عربی فارسی میں نہیں بلکہ ان کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ اردو کے ابتدائی ادبی سرمایہ میں زیادہ تر کتابیں منظوم ملتی ہیں اور ان کے موضوعات یا تو نماز روزہ کے مسائل ہیں یا پرانے بزرگوں کے قصّے ہیں۔ یا صوفیانہ افکار کو آسان اور عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ حضرات عام آدمی کو دعائیں، وظیفے اور جاپ بھی انھیں کی زبان میں بتاتے تھے۔ چنانچہ ہندی موسیقی میں ایک چیز "جکری" بھی ہے۔ یہ کسی راگ راگنی پر باندھی جاتی ہے اور "جکری" ذکر کی ہندی شکل ہے اس میں موسیقی بھی ہے، مذہبی تعلیم بھی، روحانی کیف بھی اور صوفیانہ فکر کا عام فہم اظہار بھی۔

گجرات کا رابطہ مغرب میں عرب دنیا سے تاجروں کی بدولت قائم تھا۔ خشکی کے راستے سے سندھ، راجستھان، پنجاب اور دہلی سے، شمال مغرب سے حملہ آور بھی یہاں تک پہنچ رہے تھے، اس زمانہ میں فوج کے ساتھ ایک بڑی تعداد غیر سپاہی عملہ کی بھی ہوتی تھی جسے بھیر کہا جاتا تھا۔ اردو لفظ "بھیڑ" اسی سے بنا ہے۔ اس میں علماء، صوفیاء، طبیب، درزی، باورچی، نعل بند وغیرہ پیشوں کے افراد بھی ہوتے تھے۔ جو اس علاقہ میں آکر اپنی ضروریات کے تحت عوام سے رابطہ پیدا کرتے تھے، اس طرح لفظوں کا لین دین بھی ہو جاتا تھا۔ وسط ایشیا کے فنکار محمود غزنوی کی فوج کے ساتھ یہاں پہنچ چکے تھے۔ عربی کے الفاظ سے تو عرب تاجروں نے مانوس کر دیا تھا فارسی اور ترکی کے الفاظ شمال مغرب سے آنے لگے۔ ادھر گجرات کی سرحد ایک طرف سندھ سے دوسری طرف مارواڑ اور مالوہ سے تیسری طرف مرہٹی بولنے والے علاقہ سے ملتی تھی اس لیے بیرونی الفاظ کے ساتھ ہندوستانی بولیوں کا رس ملتا گیا۔ اور بولی گجرات کی مٹھاس بڑھاتا رہا۔

جس طرح محمد تغلق کے زمانہ میں دلی سے راجدھانی دولت آباد کو منتقل ہوئی اور یہاں سے ہر پیشہ اور ہر طبقہ کے لوگ ہجرت کر کے وہاں گئے جس سے دکنی زبان وجود میں آئی اور اس کا بہت بڑا ادبی سرمایہ فراہم ہو گیا۔ اسی طرح جب دلی پر تیمور نے حملہ کیا تو یہاں سے سینکڑوں خاندانوں نے گجرات کی طرف ہجرت کی تھی، حضرت گیسو دراز بھی پہلے کھمبایت میں تشریف لائے تھے، بعد کو گلبرگہ منتقل ہوئے۔ پھر وہاں مظفر شاہ گجراتی نے ایک آزاد اور خودمختار سلطنت کی بنیاد رکھی، یہ حکومت ۱۸۴ سال تک رہی اور اس مدت میں شاہان گجرات نے علم و ادب فنونِ لطیفہ اور صنعت و حرفت غرض تہذیب و ثقافت کے تمام مظاہر کی جو عظیم الشان خدمت انجام دی وہ ہندوستان کی کسی دوسری حکومت سے حتی کہ مغلوں سے بھی بن نہیں پڑی، ہر طرف امن و امان تھا اور مختلف مذاہب کے ماننے والے پر امن رہتے تھے۔ اس میں صوفیاء کی کوششوں کو دخل تھا ان کا نظریۂ عشق اس سرزمین پر بھگتی کے تصورات سے میل کھا کر ایک نئے پیغام محبت کی شکل میں ابھرا تھا۔

گجرات کے موجودہ شہر پٹن کا پرانا نام نہروالہ ہے یہاں کے ایک بزرگ شیخ احمد نہروالی کو ایک فقیر سادھو سے روحانی نعمت ملی تھی۔ یہ ہندی میں

بات چیت کرتے تھے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں ہے کہ جوانی میں ان کی آواز بہت رسیلی تھی، ہندی کے دوہے گا کر پڑھا کرتے تھے۔ جس محفل سماع میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا انتقال ہوا ہے اس میں شیخ احمد بھی موجود تھے۔

قدیم کتابوں میں متفرق طور پر ان گجراتی صوفیاء کے ہندی اور گجراتی کے فقرے، گوجری میں اشعار اور پہیلیاں بھی بہت ملتی ہیں اور تصانیف کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، شیخ علی جیو گام دھنی نے گوجری یا ہندی میں پورا دیوان تیار کیا تھا، قاضی محمود دریائی پر جب غلبۂ حال ہوتا تھا تو گوجری میں اشعار موزوں کرنے لگتے تھے۔ یہاں سے جو خاندان ہجرت کر کے دکن کی طرف گئے وہاں کے صوفیاء مثلاً میراں جی، شمس العشاق وغیرہ بھی اپنی زبان کو گوجری کہتے ہیں۔ اسے دکنی نام بعد میں دیا گیا۔ حافظ محمود شیرانی کا خیال ہے کہ گجرات میں دکن سے پہلے شاعری کا ذوق شروع ہوا۔ اور دکن سے پہلے گجرات میں تصانیف کا بھی آغاز ہوا۔ تاریخ میں یہ واقعہ تو محفوظ ہے کہ بہادر شاہ کے طوطے نے رومی خان کو دیکھ کر کہا تھا "پھٹ پاپی رومی خان نمک حرام" جب جانور بھی ان لفظوں کو دہرانے لگے تو صاف ظاہر ہے کہ اس ماحول میں زیادہ چلن دیسی زبان کا ہی کا رہا ہوگا۔

گجرات کے جن صوفیاء نے مقامی زبان کو اپنے افکار سے مالا مال کیا ان کی فہرست بہت طویل ہے ان میں حضرت گنج گیر بخشؒ، حضرت شیخ احمد کھٹوؒ اور مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے پوتے حضرت قطب عالمؒ، ان کے بیٹے حضرت شاہ عالمؒ اور شاہ بارگ اللہ چشتی و خوب محمد چشتی سے لے کر سلسلۂ نظامیہ کے بزرگ حضرت حسن محمد چشتیؒ، جمن میاں چشتیؒ اور شیخ محمد یحییٰ مدنیؒ تک درجنوں نام لئے ہیں۔ شاہ قطب عالمؒ کے بہت سے ہندی فقرے کتب تصوف میں ملتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک بار وہ تہجد کے وقت وضو کرنے کو اٹھے تو کسی چیز سے پیر کو ٹھوکر لگی، انھوں نے بے ساختہ فرمایا: "کیا ہے، لوہا ہے کہ لکڑ ہے کہ پتھر ہے"، ان کی درگاہ میں ابھی تک وہ چیز محفوظ ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ اسے دیکھ کر واقعی یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ کیا ہے۔ لوہا، پتھر اور لکڑی تینوں چیزوں کے خواص اور علامتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔

بعد کے زمانہ میں شاہ وجیہ الدین علویؒ بہت بڑے صوفی اور عالم ہوئے ہیں، یہ بھی کئی درجن کتابوں کے مصنف ہیں۔ اردو کا پہلا باقاعدہ شاعر ولی ان کا مرید تھا اور اس نے شاہ صاحب کی مدح میں اشعار بھی لکھے ہیں۔ ولی بھی احمد آباد میں مدفون ہے اور اب اس کا مزار ایک سڑک کے بیچوں بیچ آ گیا ہے شاہ وجیہ الدینؒ تک آتے آتے اردو خوب منجھ گئی ہے ایک جملے سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کسی نے شاہ صاحب سے کہا کہ میاں شیخ فضل اللہ نے درس دینا بند کر دیا ہے۔ کہنے والے نے شاید فارسی میں کہا ہوگا، مگر آپ نے اردو میں جواب دیا کہ "جب ترقی پکڑیں گے تب آپیں درس دیں گے"۔

گوجری زبان کی قدیم شاعری پر کرشن بھگتی کا گہرا اثر ہے۔ شیخ بہار الدین باجن موسیقی کے بھی رسیا تھے، طویل عمر پائی تھی اور سیاحت بھی خوب کی تھی شیخ علی جیو گام دھنی کا تذکرہ کر چکا ہوں، جن کا گوجری یا ہندی کا پورا دیوان ہے، قاضی محمود دریائی کا کلام ان کے ملفوظات کے چار مجموعوں میں ملتا ہے خوب محمد چشتی کی خوب ترنگ پر ڈاکٹر زور نے پیرس میں کام کیا تھا۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ اسے فارسی میں ترجمہ بھی کیا گیا تھا اور اس کی ایک شرح

باقی صفحہ ۵ پر